تزکیہ وتربیت: نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کا لازمہ

آسیہ شبیر*

اسلامی تصورِ تعلیم کی روح اور خاصہ، تزکیہء نفوس، تعمیرِ سیرت اور تشکیل کردار ہے۔ اسلام محض ''تعلیم برائے تعلیم'' کا قائل نہیں ہے۔ قرآن جس حسنِ اخلاق کا تقاضا کرتا ہے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ان قرآنی تعلیمات کا مکمل عکس اور بہترین نمونہء عمل ہے۔

دور حاضر میں تعلیم کو عام کرنے کا جو غلغلہ ہے، آج سے پہلے شاید کبھی اتنا نہ تھا۔ لازمی ابتدائی تعلیم کے تصور کے ساتھ، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا رجحان روز افزوں ہے۔ تدریس اب ایک فن قرار پائی ہے اور اس کی مہارتوں کا حصول ایک استاد کے لیے ناگزیر ہوتا جا رہا ہے۔ اساتذہ کی تعلیمی ورک شاپس، ٹیکنالوجی کا مؤثر استعمال، گفتگو اور تدریس میں اختیار کیے جانے والے مؤثر انداز، نئی معلومات کا حصول اور انھیں طالب علموں تک منتقل کرنے کا بہتر اسلوب، کتنے ہنر ہیں جو آج کے استاد میں مطلوب ہیں۔ طالب علم کے لیے ہم نصابی سرگرمیوں کی اہمیت بھی بڑھ گئی ہے اور کسی شعبہء علم کی عملی زندگی میں ''افادیت'' کا سوال بھی شدت سے اٹھا ہے۔

اسلامی نقطہء نظر سے دعوتِ انبیاء کرام علیہم السلام میں تعلیم اور تزکیہ ہمیشہ لازم وملزوم رہے ہیں۔ انبیاءِ کرامؑ کی تعلیمات اور ان کے اثرات کے سرسری مطالعے سے بھی یہ تعلق نمایاں طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ کتب سابقہ اور خاص طور پر اناجیل اربعہ اس پر گواہ ہیں۔ وہ اولین حواری، جن کو مچھلیاں پکڑتے دیکھ کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت دی تھی کہ آؤ! میں تمہیں آدم گیر بناؤں گا (۱) اور جو سفر وحضر، فاقہ مستی اور بیاباں نوردی میں حضرت مسیح کے ساتھ وابستہ رہے انھوں نے اس مصاحبت سے جو کچھ پایا وہ ان کے دور میں کسی اور کو حاصل نہ تھا۔ بروایتِ انجیل آتشیں زبانیں، معجزات کی قدرت، دعوت کا جوش واضطراب، خدا کی خاطر محبت کا جنون اور فروتنی وانکساری کی دولت کا حصول۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خود ان کے بارے میں گواہی دی کہ تم ''زمین کا نمک'' اور ''پہاڑی کے چراغ ہو۔''(۲)

معلم انسانیت نبی مہربان صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اصحاب کے لیے فرمایا تھا:'' **اصحابی کالنّجوم۔ بایّهم اقتدیتم، اهتدیتم۔**''(۳) میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی پیروی کروگے، ہدایت

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، پاکستان۔

پاؤ گے۔ مکتبِ نبوت کے یہ نتائج ، زمانی فاصلوں کے باوجود، اتنے یکساں تھے کہ عام دیکھنے والے بھی بچشم سر اس مماثلت کا احساس کرلیتے تھے۔ شام کے نصاریٰ نے جب اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دیکھا تو بے اختیار کہہ اٹھے کہ یہ تو "مسیحؑ کے حواریوں جیسے ہیں"۔(۴)

تزکیہ ءنفس اور نبوتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین تھے۔ آپ کے واسطے سے انسانوں کو آسمانی رہنمائی کے جو تکمیلی اسباق ملے، ان میں تعلیم نبوت کا مقصودِ حقیقی تزکیہ ہی کو قرار دیا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیلؑ کے ساتھ، کعبہ کی دیواریں اٹھاتے ہوئے جو دعا فرمائی کہ اے اللہ، ان میں انھیں میں سے ایک رسول اٹھانا جو انھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔(۵) صرف یہی دعا ہے جہاں تزکیہ کو آخر میں ذکر کیا گیا۔ قرآن مجید کی دیگر تین آیات میں جہاں نبی کریمؐ کے مقاصد بعثت کا تذکرہ کیا گیا ہے وہاں تعلیم کتاب وحکمت موخر کی گئی ہے اور تلاوت آیات اور تزکیہ کے حصول کو مقدم۔(۶) اس تقدیم سے واضح ہے کہ تزکیہ وتربیت، کتاب وحکمت کی تعلیم کو اور دیگر علوم نافع کو قلب وذہن میں جاگزیں کرنے اور ان کے مکمل فوائد وثمرات کے حصول کیلئے ناگزیر ہے۔ ۔۔نفوسِ انسانی کو غلط میلانات ورجحانات سے موڑ کر نیکی کے راستے پر ڈالنا اور درجہء کمال تک پہنچنے کے لائق بنانا"(۷) اگر تزکیہ کا مفہوم ہے تو نبی کریمؐ کی دعوت کا اولین تعارف یہی تھا۔

امام بخاری نے حضرت ابوذر غفاریؓ تک دعوت اسلام پہنچنے کے تذکرے میں لکھا ہے کہ ابوذرؓ کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر ملی تو انھوں نے اپنے بھائی کو پتہ کرنے کیلئے بھیجا" میرے پاس اس شخص کی خبر لے کر آؤ جو زعم رکھتا ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی بات اچھی طرح سننا پھر مجھے آکر بتانا۔" ان کے بھائی نے آکر صرف دو جملوں میں نبیؐ کے احوال ذکر کیے۔ **رأيته يأمر بمكارم الاخلاق ۔ و كلاماً ما هو بالشعر**۔(۸)

ابوسفیان قیصر کے دربار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے طلب کیے گئے تھے۔ قیصر نے ان سے نبی کریمؐ کے نسب، ان کے پیروکاروں کی دین پر استقامت، اور خود نبیؐ کے ذاتی معاملات کے بارے میں سوال کرنے کے بعد پوچھا کہ وہ تمہیں کیا کرنے کو کہتے ہیں۔ (ماذا يأمر كم؟) ابو سفیان کا جواب بھی عقائد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس کے لائحہ عمل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"قلت: يقول: اعبدواالله وحده ولا تشركوا به شيئا واتركوا ما يقول آباء كم ويأمرنا

بالصلاۃ والصدق العفاف والصلة" (۹)

تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا عمل اصحاب نبیؐ کی زندگیوں میں ظاہر ہوا تو اہل ایمان شکر کے جذبات کے ساتھ اس کا تقابل اپنی سابقہ زندگی سے کرتے تھے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں جو تقریر فرمائی، جسے ابن ہشام نے روایت کیا ہے، اس میں انھوں نے مسلمانوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے رہبانیت، زہد اور عبادت گزاری کا نہیں بلکہ ان صفات کا ذکر کیا جو رذائل نفس کو مٹا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکاروں میں پیدا ہوئی تھیں۔ اس تقریر میں اسلامی اور جاہلی طرز زندگی کا فرق چند جملوں میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ انھوں نے فرمایا: "اے بادشاہ ہم جاہل تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مردار کھاتے اور بے حیائی کے کام کرتے تھے۔ قطع رحمی کرتے تھے اور ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے قوی، ضعیف کو کھا جاتا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جس کے نسب، امانت اور پاک دامنی سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ اس نے ہمیں توحید کی دعوت دی کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے آباء جن بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے، ان کو چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت کا پاس کرنے، ہمسایوں کے ساتھ نیکی کرنے، حرام چیزوں اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا۔ جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا اور حکم دیا کہ ایک خدا ہی کی پرستش کرو۔" (۱۰)

تزکیۂ نفوس کی بدولت مسلمانوں میں بہادری، شجاعت اور انسانی ہمدردی کے وہ بے پایاں جذبات بیدار ہوئے جن کے بل پر انھوں نے دیگر انسانوں تک بھی اس دعوت کو پہنچانے کے لیے سارے خطرات مول لیے۔ شاہ ایران یزدگرد کے دربار میں حضرت مغیرہ بن زرارہؓ نے، مسلمانوں کی آمد کا مقصد یہ بیان کیا تھا۔ **اخراج العباد من عبادة العباد الى عبادة الله الواحد القهار۔** اس کے ساتھ ساتھ حضرت جعفر ہی کی طرح اخلاق وکردار کی ان پستیوں کو بیان کیا جن میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھے اور اس تبدیلی کا ذکر کیا، جو اسلام قبول کرنے کے بعد ان میں رونما ہوئی۔ (۱۱) حضرت مغیرہ کے اس واقعے سے استدلال کرتے ہوئے مشہور مستشرق، گستاؤلی بان نے گواہی دی: "کچھ ہی کیوں نہ ہو، حضرت رسالت مآب نے ملک عربستان میں وہ اخلاقی نتائج پیدا کر لیے جو کوئی مذہب قبل از اسلام (اپنے پیروکاروں میں) پیدا نہ کر سکا تھا"۔ (۱۲)

اکثمؓ بن صیفی کے نمائندوں کے سامنے، ان کے سوالات کے جواب میں آپ نے جو دعوت رکھی وہ قرآن مجید کے پیش کردہ تزکیہ کے پورے مفہوم پر حاوی ہے۔ آپ نے فرمایا میری دعوت یہ ہے کہ:

انّ اللّٰه يأمركم بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهٰى عن الفحشاء والمنكر والبغي

یعظکم لعلّکم تذکّرون۔(۱۳) خیروشر (فضائلِ اخلاق اور رذائلِ اخلاق) کے بیان میں یہ قرآنی آیت نہایت جامعیت کی حامل ہے۔

تزکیہ:۔علمی اور عملی زندگی کا روحِ رواں

مذہبی اور تعلیمی زندگی کی تاریخ میں نبی کریم ،معلم انسانیتﷺ کا یہ کارنامہ سرفہرست رکھے جانے کے لائق ہے کہ آپ نے ایک تو تزکیہ کا وہ جامع مفہوم پہلی مرتبہ انسانوں کے سامنے پیش کیا جس کو ہمیشہ افراط وتفریط میں گم کیا جاتا رہا تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تزکیہ کے عمل کو زندگی کی روحِ رواں بنا دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو''دین قیم'' لے کر آئے، اس میں تزکیہ نیت، عقیدے، عمل، عبادات، اخلاقیات اور معاملاتِ زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے۔ دین اور دنیا کی ساری بھلائیاں بیک وقت مطلوب بھی ہیں اور محمود بھی ۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ نے سعادتِ انسانی کے تعین کے حوالے سے بحث میں بڑے مؤثر دلائل کے ساتھ اس بات کو ثابت کیا ہے کہ نظام کائنات ہو یا نظام انسانی،ان دونوں کی بقا، استحکام اور استمرار کے حوالے سے اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کرنا اور اس سب مشغولیت کے باوجود زندگی کے روحانی تقاضوں کو فراموش نہ کرنا اور حتی المقدور اس حوالے سے کوشش اور جدوجہد میں مصروف رہنا، انسان کی حقیقی سعادت ہے اور اس میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔(۱۴)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے یہی تعلیم عطا فرمائی۔ مثلاً نکاح کو سنت قرار دیا اور یہاں تک فرمایا۔ **فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔**(۱۵) اپنی امت کے لیے یہ نہیں مقرر فرمایا کہ اچھا وہ ہے جو گھر بار چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جائے، جسم کے''ناپاک تقاضوں'' کو پورا کرنے کی بجائے''نجات'' کے حقیقی مقصد کو سامنے رکھے اور رشتہ و پیوند کے کسی''مایا جال''میں گرفتار نہ ہو۔(۱۶) بلکہ فرمایا کہ **خیر کم خیر کم لاھلیکم، وانا خیر کم لأھلی**(۱۷) گھر اور خاندان کو تعلیم اور تربیت کا اولین مرکز بنایا۔ جہاں''عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں پر نگران ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''(۱۸)اور باپ کو یوں ذمہ دار بنایا کہ''کوئی باپ اپنی اولاد کو حسن ادب سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا''(۱۹)۔ والدین اور اولاد کے ساتھ ساتھ قرابت داروں، ہمسایوں، اہل حاجت، حتیٰ کہ چند گھڑیوں کی مصاحبت جس کے ساتھ ہو جائے، اس کے بھی حقوق مقرر فرمائے گئے اور حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن کو کامیابی کا معیار قرار دیا گیا۔(۲۰)

قرآن مجید میں نصاریٰ کے رہبانیت اختیار کرنے کے محرک، یعنی خوشنودی رب کی تلاش کو قابل مذمت نہیں ٹھہرایا گیا،''بدعت'' ان کے رہبانی احکام وقوانین ایجاد کرنے کو قرار دیا اور اس کی مذمت کی گئی۔(۲۱) اپنے

سے متصل قبل کی اس امت کے ''افراط'' کے طور طریقوں سے سبق اخذ کرتے ہوئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو غلو اور تشدد وتعمق کی طرف جانے سے سختی سے روکا۔ فرمایا: اپنے اوپر سختی نہ کرو کہ اللہ تم پر سختی کرے۔ ایک گروہ نے یہی تشدد اختیار کیا تھا تو اللہ نے بھی اسے سخت پکڑا۔ دیکھ لو وہ ان کے بقایا راہب خانوں اور کنیسوں میں موجود ہیں۔(۲۲) قرآن مجید ایک دن میں صرف اتنا پڑھنے کی اجازت دی کہ تفکر وتدبر ہو سکے اور بارِ خاطر نہ ہو(۲۳)۔ نماز اور نوافل اتنے ہوں کہ رسی باندھنے اور اس کا سہارا لینے کی ضرورت نہ پڑے۔(۲۴) بعض صحابہ کے بہت اصرار کے باوجود بار بار نصیحت فرمائی کہ روزے اتنے نہ ہوں کہ نظام جسمانی معطل ہوجائے اور حقوق وفرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ ہونے لگے۔(۲۵) ایک موقع پر تو یہاں تک فرمایا کہ اگر روزے کی وجہ سے کوئی شخص دوسروں کی خدمت کا محتاج ہوجائے تو وہ لوگ اس سے اجروثواب میں آگے بڑھ جائیں گے جو انسانی ہمدردی اور خدمت کا کام کریں گے۔(۲۶)

مالی معاملات میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توازن اور اعتدال کو برقرار رکھنے کی ہدایات عطا فرمائیں، اگرچہ صدقہ پرزور بھی دیا۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ان مومنین صادقین میں سے تھے جو غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ گئے تھے۔ پچاس دن بعد جب ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا کل مال صدقہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ لیکن آپ نے ہدایت فرمائی کہ سب نہیں، کچھ رکھ کر باقی صدقہ کرو۔(۲۷) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی بیماری میں سب مال صدقہ کرنا چاہتے تھے۔ انہیں بھی صرف ایک تہائی کی اجازت دی۔(۲۸) کسب معاش کو ''اللہ کے فضل کی تلاش'' قرار دیا گیا۔(۲۹) مال کو ''خیر'' کہا اور حلال رزق کے لیے کوشش کرنے والے کا درجہ مجاہد فی سبیل اللہ کے برابر بیان فرمایا۔(۳۰) ''تزکیہ'' کی مخصوص اور روایتی دنیا میں یہ خیالات اور اعمال بالکل نئے تھے!

نبی محترمؐ نے جہاد وقتال کو دین کی بلندترین چوٹی قرار دیا۔ **ذروة سنامه الجهاد**(۳۱) اپنی اس بے تابانہ خواہش کا اظہار فرمایا کہ مجھے پسند ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں(۳۲)۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے الفاظ میں، آپ نے اپنی امت کو وہ ''آتشیں شریعت''(۳۳) عطا فرمائی (ایسی شریعت جس میں جہاد وقتال کے احکام بھی شامل ہوں) جس میں رہبانیت، زندگی سے فرار، نیکی اور نیکی کے داعیوں کا معاشرے سے کنارہ کش ہونا اور فساق وفجار کے ہاتھوں میں مملکت اور سلطنت کی زمام کار چھوڑ دینا، ہمیشہ کیلئے مسدود کردیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما گئے کہ **الجهاد ماض الی یوم القیامة** (۳۴) آپؐ کی امت کی زندگی کا سامان بھی اور سامان رزق بھی جہاد ہی میں رکھا

گیا۔ وجعل رزقی تحت ظل رمحی(۳۵) جہادومزاحمت کا یہ جذبہ باقی نہ رہے تو امتیں تر نوالہ بن جاتی ہیں۔

معاملاتِ زندگی کا کون سا پہلو ہے جو پاکیزگی کی تربیت سے محروم رہ گیا ہے۔درحقیقت یہ وہ تکمیلی تعلیم تھی جو نبی آخرالزماں کے حوالے سے انسانیت کو عطا کر کے، آسمانی رہنمائی کا باب بند کر دیا گیا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ تعلیمی

دور جدید میں جن تدریسی مہارتوں اور طریق کار (Teaching Skills and Methodologies) کو اساتذہ کی پیشہ ورانہ تربیت کے اداروں میں باقاعدہ کلاسوں کی صورت میں سکھایا جارہا ہے۔(۳۶) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ تدریسی اسلوب ،اور یہ مطلوب صفات تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا خاصہ تھیں۔اور خاص طور پر عالم انسانیت کے آخری معلمؐ کو ان صفات سے بدرجہ اتم مزین کیا گیا ۔

تزکیہ کی روح میں گندھی اس تعلیم نے دنیا کا سب سے زیادہ پائیدار اور انسانیت کے لئے نافع انقلاب برپا کیا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ تعلیمی میں جامعیت ہے۔کتب حدیث کے سینکڑوں اوراق اس پر شاہد ہیں۔اس مختصر مضمون میں بس اتنا مطلوب ہے کہ وہ چند نمایاں ترین خصائص جو دورِ جدید کی تعلیمی حکمتِ عملی کے ماہرین ،ایک بہترین استاد کے لیے تجویز کرتے ہیں، ان کی محض ایک جھلک اسوۂ نبیؐ میں دکھائی جاسکے۔

ا۔تدریس پیشہ نہیں بلکہ مشن :

ایک اچھے استاد کی خوبیوں میں سرفہرست یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ تدریس کو صرف پیشہ ورانہ ذمہ داری نہ سمجھے، بلکہ یہ اس کا مشن ہو۔قصص الانبیاء میں قران مجید نے ہر نبی کی زبان سے کہلوایا ہے کہ میں اس کارنبوت پر تم سے کسی اجر کا خواہاں نہیں ہوں۔(۳۷) یہی اسوہ نبی مہربان کا بھی رہا ہے۔اجر تو بہت دور کی بات ہے، قرآن مجید نے اہل ایمان کی ہدایت اور بھلائی کے لیے نبی کریمؐ کے **حریص علیکم**(۳۸) ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔جنھوں نے ایمان قبول نہیں کیا، ان کیلئے آپؐ کی قلبی کیفیات کیا تھیں، بیان الٰہی سے بڑھ کر کون سے الفاظ یہ نقشہ کھینچ سکتے ہیں۔**فلعلّك باخع نفسك علی اثارهم ان لم يؤمنوا بهذا الحديث اسفا**۔(۳۹) جان گھلا دینے کی اس کیفیت سے نکالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ اگر یہ منہ پھیریں تو آپ کے ان کے نگران اور ان کی گمراہی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔**فان اعرضوا فما ارسلناك عليهم حفيظا۔ ان عليك الاالبلاغ**۔(۴۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی جانتے تھے کہ ہدایت دینا صرف اللہ ہی کا کام ہے اس کے باوجود اپنے مخاطبین کے ایمان کے لئے جس قدر مشتاق تھے، اس پر بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت بھرا زجر اور تنبیہ کی گئی۔

وان كان كبر عليك اعراضهم فان استطعت ان تبتغى نفقافى الارض اوسلّما فى السّماء فتأ تيهم باٰية۔ ولو شاء اللّٰه لجمعهم على الهدٰى فلا تكوننّ من الجٰهلين۔ (۴۱) یہ عتاب درحقیقت نہ ماننے والوں پر تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں۔ جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کیا گیا ہے۔ **انما يستجيب الذين يسمعون ۔والموتٰى يبعثهم اللّٰه ثم اليه يرجعون۔** (۴۲) دعوتی زندگی کے مشکل ترین مراحل میں بھی آپ کی یہ خصوصیت ماند نہیں پڑتی دکھائی دیتی۔ اہل طائف نے آپ سے جو سلوک کیا، خود آپ نے حضرت عائشہؓ کے سوال پر اسے اپنی زندگی کا سخت ترین دن قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو اختیار دیا گیا کہ یہ لوگ مبتلائے عذاب کیے جائیں اگر آپ چاہیں۔ لیکن آپؐ کا جواب ایک پرسوز داعی کے دلی جذبات کا آئینہ دار ہے۔

بل ارجو ان يخرج اللّٰه من اصلابهم من يعبد اللّٰه وحده لايشرك به شيئا۔ (۴۳)

احد کے مشکل اور صبر آزما موقع پر تکلیف کے باوجود آپ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ وہ بس اتنا تھا۔ **اللّٰهم اهد قومى فانهم لا يعلمون۔** (۴۴) اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام وہدایات کی تعلیم دینے کی جو ذمہ داری آپؐ پر ڈالی گئی تھی، اس کی ادائیگی کے ذوق وشوق، اضطراب اور اس راہ میں ذاتی تکالیف اور مصائب کو خاطر میں نہ لانے کی اور صبر وتحمل کی اس سے بڑی مثال کہیں نہیں ملے گی۔

۲۔ طلبہ سے مضبوط شخصی روابط:

طالب علموں سے استاد کے ذاتی روابط، افہام وتفہیم میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔ بے تکلفی کی فضا میں سوال کرنا آسان اور مخاطب کو جاننے کی وجہ سے ذہنی سطح کے مطابق جواب دینا ممکن ہوتا ہے۔ آج کی تدریسی مہارتوں میں یہ ہنر پیدا کرنے کے کئی طریقے سکھائے جا رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اپنے ساتھیوں سے محبت اور محبوبیت کے مناظر جا بجا ملتے ہیں۔

نبی مہربانؐ کے اخلاق ومعاملات اور منصب نبوت ورسالت کی وجہ سے آپ کے اصحاب پر تو محبت لازم وواجب تھی۔ لیکن آپؐ جس والہانہ انداز میں محبت فرماتے۔ اس نے بھی صحابہؓ کو آپؐ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ نے آپؐ کو اپنے والدین پر ترجیح دی تھی۔ آپؐ نے انہیں متبنّی بنا لیا اور جب تبنیت کی ممانعت آئی تو فرمایا: زید مجھے سارے انسانوں میں محبوب ہیں۔ (۴۵) ان کے بیٹے اسامہ بن زید ''حِب رسول اللہ، محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشہور تھے۔ (۴۶) حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے لیے فرماتے ہیں کہ ہم انہیں اہل بیت میں سے سمجھتے تھے، رسول اللہؐ کے گھر بہت آمد ورفت کی وجہ سے اور اپنی عادات و اطوار میں نبیؐ سے مماثلت کی وجہ سے۔ (۴۷) یہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: نبی کریمؐ نے مجھے اس طرح تشہد سکھائی

جیسے آپؐ مجھے قرآن کی سورت سکھاتے تھے اوراس وقت میری ہتھیلی آپؐ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔(۴۸)

ہجرت کے بعد جب آپؐ مدینہ میں بس گئے تو انصار کے ساتھ محبت کا معاملہ رکھا۔ایک مرتبہ جب ان کی عورتیں اور بچے کسی شادی کی تقریب سے واپس آ رہے تھے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور تین مرتبہ فرمایا: **اللّٰھم انتم احبّ الناس الیّ**۔(۴۹) سعد بن معاذؓ، سیّداوس تھے۔ایک موقع پر تشریف لائے تو نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **قوموا الی خیرکم اوسیّدکم**(۵۰) یہ اس حال میں فرمایا کہ آپؐ اپنے لیے بھی اپنے ساتھیوں کے کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے۔حضرت خالد بن ولیدؓ سپاہیانہ صلاحیتوں سے ممتاز تھے۔آپؐ نے انہیں **سیف من سیوف اللہ**(۵۱) کا خطاب دیا۔حضرت معاذ بن جبلؓ کے ہاتھ کو تھام کر فرمایا: اے معاذ! اللہ کی قسم میں تجھ سے محبت کرتا ہوں اور میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ کسی فرض نماز کے بعد یہ کہنا نہ چھوڑنا: **اللّٰھم اعنّی علی ذکرك و شکرك و حسن عبادتك**(۵۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے شانے کو تھام کر فرمایا: **کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل** (۵۳) اتنی محبت سے کہی جانے والی بات کون سا شاگرد فراموش کرسکتا ہے۔

مسائل اور پریشانی کے معاملات میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اپنے ساتھیوں پر کئی گنا بڑھ جاتی۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ کے والد غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔یہ کم سن تھے۔والد قرض اور بہت سی بہنوں کی ذمہ داری ان پر چھوڑ گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غیر معمولی خبر گیری رکھتے۔جابرؓ نے شادی کی تو بطورخاص پوچھا: کنواری سے کی ہے یا شادی شدہ سے؟ یہ بھی فرمایا کہ باکرہ سے کرتے۔(۵۴) ان کے قرض کا معاملہ تھا تو خود جا کر کھجوریں تلوا کر قرض خواہوں میں تقسیم کیں تاکہ برکت ہو۔(۵۵) جابرؓ فرماتے ہیں: یوں کھجوریں بچ بھی گئیں۔ ایک سفر میں ان سے اونٹ خریدا، جو بہت کم رفتار تھا۔مدینے جا کر قیمت بھی واپس فرما دی اور اونٹ بھی انہیں ہی عطا فرما دیا۔(۵۶) جابرؓ فرماتے ہیں: اونٹ والی رات آپؐ نے میرے لیے پچیس مرتبہ استغفار فرمایا۔(۵۷)

یہ محبت عام تھی۔مدینہ میں آ کر جب مسلمانوں کو کشادگی حاصل ہوئی تو آپؐ نے فرما دیا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر وفات پائے گا، اس کے قرض کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔(۵۸) ایک قبیلے کے مفلوک الحال لوگ مدینے آئے تو نبیؐ بےقرار ہو گئے۔منبر پر جا کر خطبہ دیا۔جب ان کے لیے کافی سامان اکٹھا ہوا تو آپؐ کی بےقراری دور ہوئی۔(۵۹)

اس محبت اور محبوبیت کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام جب حدیث نبوی بیان کرتے تو ساتھ نبی کریمؐ کی کیفیات کا نقشہ بھی کھینچتے۔آپؐ مسکرائے، آپؐ غصے میں تھے، آپؐ کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔یہ محبت نہ ہوتی تو جیسا بیان سیرت و حدیث آج مسلمانوں کو میسر ہے، وہ نہ ہوتا۔اسی محبت نے انہیں نبی کریمؐ کے مقاصد سے جوڑ دیا تھا۔۔۔اور اس جدوجہد سے، جس کی راہ میں بے پناہ مصائب تھے۔غزوہ بدر سے پہلے نبی کریمؐ

نے اپنے اصحاب سے مشاورت کی۔مہاجرین میں سے حضرت مقداد بن اسودؓ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

''ہم آپؐ سے وہ نہیں کہیں گے جو اصحاب موسیٰ نے کہا تھا: اذھب انت و ربك فقاتلا۔۔بلکہ ہم آپؐ کے دائیں،آپ کے بائیں،آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے لڑیں گے''۔اس حدیث کے راوی،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دمک اٹھا۔(۶۰) حضرت سعد بن معاذؓ انصار کی طرف سے نمائندگی کو اٹھے اور فرمایا:

''اس ذات کی قسم!جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔اگر آپؐ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں اور اس میں کود جائیں تو ہم آپؐ کے ساتھ کود یں گے اور ہم میں سے کوئی پیچھے نہیں رہے گا۔ہمیں یہ ہرگز ناگوار نہیں ہے کہ آپؐ کل ہمیں لے کر دشمن سے جا بھڑیں۔

ہم جنگ میں ثابت قدم رہیں گے۔مقابلے میں سچی جاں نثاری دکھائیں گے اور بعید نہیں اللہ تعالی آپؐ کو ہم سے وہ کچھ دکھلا دے جسے دیکھ کر آپؐ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں(۶۱)۔

یہ محبت ہی ہے جو استاد کو نرمی کی طرف،رفق ومہربانی اور درگزر کی طرف مائل کرتی ہے۔کلام کو دل میں گہرا اتارتی ہے۔مقاصد اور نصب العین میں ہم آہنگی پیدا کرتی ہے۔بلا شبہ اس محبت میں سے معلم انسانیت کو حظ وافر عطا ہوا تھا۔

۳۔مؤثر نظم وضبط:

تعلیمی زندگی میں نظم وضبط کی اہمیت مسلّمہ ہے۔نظم وضبط قائم کرنا استاد کی اولین ذمہ داریوں میں سے ہے اور اس کی مہارت کا امتحان بھی۔کلاس روم اور ادارے میں اس کی تربیت کے بعد زندگی بھر کے لیے اس کو طلبہ کی عادات میں شامل کر دینا فرد اور معاشرے پر استاد کا احسان ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ تعلیمی میں اس حوالے سے بھی بہترین نمونہ ملتا ہے۔ڈاکٹر خالد علوی اپنی کتاب ''انسان کامل،، میں لکھتے ہیں کہ ایک دائرہ تو آپ کی غیر رسمی تعلیم کا تھا۔یہاں ہمہ وقت تعلیم جاری رہتی تھی،چلتے پھرتے،بازاروں،گھروں اور راستوں میں۔دوسرا دائرہ اہتمام کے ساتھ تدریس کا تھا۔اس کا اولین مرکز دارارقم بنا،بعد ازاں دارِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بالآخر مسجد(۶۲) مسجد کے مرکز تعلیم ہونے سے اسلامی تعلیم نئی جہات سے آشنا ہوئی۔اس پاکیزہ اور مقدس ماحول میں تزکیہ کا رنگ تعلیمی عمل میں رچ بس گیا۔یہاں چونکہ آدابِ مسجد کے منافی کام ناپسندیدہ تھے،چنانچہ یکسوئی تعلیم وتعلم کی طرف ہی رہتی۔اور اس مکتب کے طالب علم دنوں میں وہ کچھ سیکھتے جو دوسرے برسوں میں سیکھ پاتے ہیں۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں:''صحابہ جب صبح نماز پڑھ لیتے تو حلقوں کی صورت میں بیٹھ جاتے۔قرآن مجید پڑھتے اور فرائض وسنن سیکھتے''(۶۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ویسے بھی ان کی توجہ علوم نافع سیکھنے کی طرف مبذول کروا رکھی تھی۔ مسجد کے باہر ہی تیراندازی، دوڑ، کشتی وغیرہ کے مقابلے اور مشق کی جاتی تھی۔

اس تعلیمی نظم وضبط نے زندگی کے ہر شعبے میں اپنے اثرات دکھائے۔ مثلاً جہاد کا میدان اس کی نمایاں مثال ہے۔ قتل و غارت گری اور سلب ونہب مدتوں سے عربوں کا شعار تھا۔ بہت سے قبائل کی معشیت ہی اسی سے وابستہ تھی۔ مدینے آنے کے بعد اور فرضیت جہاد کا حکم آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ڈسپلن کو معیار بنا کر جہاد اور عام قتل و غارت میں فرق کو واضح فرمایا۔

مقاصد جہاد کے باب میں آپ نے اپنے ساتھیوں کے سوالات کے جواب میں کئی بار صراحت فرمائی کہ مال کے لیے لڑنا جہاد نہیں، شہرت و ناموری کے لیے لڑنا بھی نہیں۔ صرف ''**من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل الله**،،(۶۴) ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ جس نے اونٹ باندھنے کی رسی کی نیت بھی رکھی، اس کو (جہاد کا اجر نہیں) وہی شے ملے گی، جس کی اس نے نیت کی تھی۔ (۶۵) قتال اور جنگ کے آداب مقرر فرمائے۔ یہ طے فرما دیا کہ کن کو قتل کیا جا سکتا ہے اور کن کو نہیں۔ فصلوں اور کھیتیوں کو نقصان پہنچانے اور لوٹ مار سے منع فرمادیا۔ ''لوٹ کا مال مردار سے زیادہ حلال نہیں ہے۔،،(۶۶) مال غنیمت کی ایک سوئی بھی اپنے امام کے پاس جمع کروانے کا پابند بنایا۔(۶۷) عرب اتنی پابندیوں اور بندشوں کے کہاں عادی تھے۔ وہ بھی میدانِ جنگ میں۔ لیکن نبی مہربان کی تعلیم و تلقین، تزکیہ و تربیت کے یہ ثمرات تھے کہ آنے والے سالوں میں مسلمانوں کی اس منظّم سپاہ نے اپنے وقت کی بڑی طاقتوں کی فوجوں کی صفیں الٹ دیں۔

معاشرتی میدان میں جو ڈسپلن آپؐ نے پیدا فرمایا، اس کی روح مساوات تھی۔ قانون، ضابطے اور اصول سب کے لیے یکساں تھے۔ اسامہ بن زیدؓ آپؐ کے محبوب تھے، لیکن حدود کے معاملے میں ان کے سفارش کرنے پر آپؐ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فاطمہ مخزومیہ بھی کسی کم مرتبہ خاندان سے نہ تھیں، لیکن آپؐ نے فرمایا کہ فاطمہ بنت محمد بھی ایسا فعل کرتیں تو یہی سزا پاتیں۔(۶۸) حقوق، فرائض، احکام اور معاہدات واضح اور متعین تھے اور باز پرس ممکن۔ نبیؐ خود اپنے آپ کو بدلے کے لیے پیش کر دیتے۔ چنانچہ اسلامی تاریخ میں ایسی سینکڑوں مثالیں قائم ہوئیں کہ قضاۃ نے بلا تکلف حکام وقت اور سلاطین کے خلاف فیصلے دیے۔

۴۔ تدریسی مہارتوں کا استعمال:

عصری تدریسی طریقوں میں سمعی وبصری معاونات (Audio Visual Aids) کے استعمال پر بہت زور دیا جا رہا ہے اور دور جدید نے اس کی اہمیت کو بجا سمجھا ہے۔ یہ طریقِ تدریس، اس روایتی طریقے کی نسبت واقعی

زیادہ قابل فہم، جاذب توجہ اور مؤثر ہے، جہاں صرف لیکچر اور یک طرفہ گفتگو ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسی مددگار ٹیکنالوجی، گو نہیں تھی، لیکن آپ نے اپنے گرد و پیش کے ماحول اور اپنے ہاتھوں اور تأثرات سے اس معاملے میں بھرپور مدد لی۔ حدیث اور سیرت کے ابواب اس کی مثالوں سے بھرے پڑے ہیں۔

نبی کریمؐ کبھی ہاتھوں کے اشاروں سے کام لیتے تھے۔ مثلاً دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو اپنی معیت کی نوید، ہاتھ کی دو انگلیاں جوڑ کر سنائی۔(۶۹) قرب کا یہ ''محسوس،، منظر فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی آپؐ اپنے ماحول کی مانوس اشیاء سے نتیجہ خیز قسم کے سوالات اٹھاتے۔ مثلاً یہ مردہ بکری کا بچہ کون لے گا؟ پھر بتایا کہ دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک ایسی ہی ہے۔(۷۰) آپؐ قابل فہم اور آسان مثالیں بھی دیتے، اپنے مخاطب کی ذہنی سطح کے مطابق۔ مثلاً یہ کہ پانچ وقت نہر میں نہانے سے جسمانی میل کچیل صاف ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی پانچ نمازوں سے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔(۷۱) کبھی آپؐ اپنی body language سے بڑا بھرپور پیغام دیتے۔ مثلاً سائل کے پوچھنے پر کہ مومن بخیل ہوسکتا ہے، بزدل ہوسکتا ہے، آپؐ نے تائید فرمائی، لیکن جھوٹ بولنے کے ذکر پر آپؐ ٹیک سے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور سخت لہجے میں تین مرتبہ فرمایا کہ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔(۷۲)

عرب کے عام ماحول میں کھلا پن بہت زیادہ تھا۔ ایک نوجوان آپؐ کے پاس آیا اور بدکاری کی اجازت طلب کی۔ صحابہؓ غصے میں مارنا چاہتے تھے لیکن آپؐ نے انہیں روکا اور خود اس نوجوان سے سوالات کے ذریعے کہلوا لیا کہ وہ یہ کام اپنی ماں، بہن، خالہ اور پھوپھی کے لیے پسند نہیں کرتا۔ پھر اسے دعا دی۔(۷۳) راوی کہتے ہیں، اس کے بعد اس نے ساری زندگی نظر بھی اِدھر اُدھر نہیں اٹھائی۔ کتنے مواقع تھے، آپؐ نے تمثیل کے ذریعے، کنایوں سے، اپنے چہرے کے تاثرات کے ذریعے معاملہ واضح فرما دیا۔ خطبے اور تقریر میں الفاظ کے چناؤ اور زیر و بم سے آپ سامعین میں مطلوبہ کیفیت پوری طرح ابھار لیتے تھے۔ کوہ صفا پر آپؐ کا اولین خطبہ اور حنین کے مال غنیمت پر انصار کے اعتراض کے بعد دیا جانے والا خطبہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔(۷۴)

سورۃ الانعام کی آیت ''وانّ ھذا صراطی مستقیما فاتّبعوا ولا تتّبعوا السّبل فتفرّق بکم عن سبیلہ،،(۷۵) سمجھانے کے لیے آپؐ زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ ایک خط کھینچا اور فرمایا: یہ اللہ کی راہ ہے۔ پھر اس کے دائیں اور بائیں جانب خطوط کھینچے اور فرمایا: یہ راہیں ہیں جدا جدا، ان میں سے ہر راہ پر شیطان بلا رہا ہے اور پھر آپؐ نے مندرجہ بالا آیت پڑھی۔(۷۶) اس حدیث کی شرح میں علامہ طیبی لکھتے ہیں: ''مخفی معانی کو اجاگر کرنے اور پوشیدہ رموز کی نقاب کشائی کی غرض سے تصویر و تمثیل استعمال کی جاتی ہے تاکہ وہ مرئی اور محسوس چیزوں کی طرح آشکار ہو جائیں اور بات سمجھنے میں خیال، عقل کی مدد کرے''(۷۷)۔

ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مربع شکل بنائی۔اس کے درمیان ایک خط کھینچا، جو اس سے باہر نکلا ہوا تھا۔پھر اس مربع کے درمیانی خط کی طرف چھوٹے چھوٹے خطوط کھینچے اور فرمایا: ''یہ انسان ہے، یہ اس کی موت اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ باہر نکلا ہوا خط اس کی آرزو ہے۔ یہ چھوٹے خطوط مصائب ہیں۔پس اگر وہ ایک سے بچ نکلتا ہے تو دوسری میں پھنس جاتا ہے اور دوسری سے نکلتا ہے تو تیسری میں گرفتار ہو جاتا ہے''(۷۸)۔

۵۔رسوخ فی العلم:

استاد کا علمی رسوخ جہاں خود اسے اعتماد عطا کرتا ہے، وہاں طلبہ کے اندر اس کا احترام اور اس کی معلومات پر اعتبار پیدا کرتا ہے۔جدید تحقیقات یہی رہنمائی دیتی ہیں کہ استاد کو اپنے مضمون سے گہری وابستگی ہونی چاہیے۔اس کے ذہن میں شامل نصاب مواد واضح ہو۔وہ اس کے ابلاغ اور تفہیم کی صلاحیت رکھتا ہو اور اس مضمون کے دیگر نصابات کے بارے میں بھی اطلاع رکھتا ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں دیکھا جائے تو ان پر جو ''تشریعی،، ذمہ داری ڈالی گئی، اس کا تقاضا تھا کہ اس میدان کے نفسِ مضمون(subject matter) پر ان کی مکمل گرفت ہو۔اس منصب کے حوالے سے اللہ تعالی نے فرمایا: **و علّمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما**(۷۹) آپ کو وہ علم عطا کیا جو آپ پہلے نہ جانتے تھے۔ظاہر ہے بعثت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کچھ نہ جانتے تھے۔**ما كنت تدرى ماالكتٰب و لا الايمان و لكن جعلناه نورا نهدى به من نشاء من عبادنا**(۸۰)

تعلیم کتاب وحکمت، تبیین وتعیین احکام وشرائع اور تزکیہ نفوس کے فرائض کی ادائیگی کے لیے اس عطائے ربانی کے ساتھ، آپؐ نے اپنی صلاحیتوں کو بھی بھرپور استعمال فرمایا۔اپنی ذہنی، قلبی اور علمی سرگرمیوں کا رخ اس طرف سے ہٹنے ہی نہیں دیا۔اہلِ کتاب کو یہ حکم دیا گیا تھا۔**وا تّبعوا احسن ما انزل اليكم من ربّكم**(۸۱) لیکن وہ یہ نہ کر سکے۔قانون کو جامد کیا اور اس کے ''احسن،، کی جگہ، ظواہر کو لے لیا۔نبی کریمؐ نے جمود کی بجائے، دائرہ قانون میں رہتے ہوئے ضروری لچک اور رعایت کو اختیار فرمایا۔شخصی حالات، نفسی کیفیات، گرد و پیش کے احوال اور معاملات کی خاص نوعیت کو ملحوظ رکھنے کی وجہ سے آپ کے فیصلوں میں وہ تنوع ملتا ہے جس نے بعد کے ادوار میں امت مسلمہ کو حدود شریعت کی پاس داری کے ساتھ، گنجائش اور وسعت اختیار کرنے کی صلاحیت عطا کی۔پیروانِ موسیٰ علیہ السلام جمود کا شکار ہوئے تھے اور ان کے ردعمل میں مسیحیت نے پہلے شریعت کا جوا کندھے سے اتار پھینکا اور بعد ازاں احیائے علوم(reniassance) کے دور میں مذہب کو زندگی کے ہر میدان سے خارج کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایسی مثالیں بے شمار ہیں۔ حضرت حاطب بدریؓ کو آپ نے ایک نازک موقع پر اسلامی ریاست کی مخبری کے باوجود معاف فرمایا۔(۸۲) ایک صحابی کو، جو روزہ توڑنے کا کفارہ ادا نہیں کر سکتے تھے، بالآخر ہنستے ہوئے صدقہ کی کھجوروں کا ٹوکرا گھر لے جانے کا اذن عطا فرمایا۔(۸۳)

اس طرزِ عمل سے آپؐ نے اپنے اصحاب میں اس تصور کو بھی مستحکم کیا جس کا ذکر حضرت ابوالدرداءؓ نے یوں کیا ہے کہ فقیہ وہ ہے جو ایک آیت سے ایک سے زیادہ مواقع پر استدلال کر سکتا ہو۔(۸۴) صحابہ کرام کی تربیت میں آپؐ نے یہ ضوابط اس انداز میں شامل فرمائے کہ وہ آپؐ کے بعد عالمِ انسانی کی رہنمائی کے قابل ہوئے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے اجتہاد کے ارادے پر آپؐ نے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔(۸۵) یمن میں حضرت علیؓ نے جو فیصلے کیے، ان کی تائید فرمائی۔(۸۶) اپنے صحابہ کے تیمّم کے معاملے میں دو مختلف طرزِ عمل اختیار کرنے پر دونوں کی توثیق فرمائی۔(۸۷) اور یوں معلمِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے لیے وہ گنجائش پیدا کر دی کہ فروعی اور جزوی آراء میں اختلاف کے باوجود، علمی ترقی اور معاشرتی وحدت کا سفر کا نہیں۔

۶۔ واضح مقاصد اور بلند اہداف:

وہ انسانی مواد، جو عرب کے ریگ زاروں اور کم متمدن شہروں میں بکھرا پڑا تھا، اور جس نے تاریخ میں کبھی کوئی بڑا کارنامہ نہیں دکھایا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظّم کیا، کلمے کی بنیاد پر ایک قوم بنایا اور تعلیم، تربیت اور تزکیے کے عمل سے گزارا۔ اس کے بعد انہیں واضح، بلند اور آفاقی مقاصد اور نصب العین کے حصول کے لیے میدانِ عمل میں اتار دیا۔ دورِ جدید کی تحقیق بالکل بجا رہنمائی کر رہی ہے کہ اچھا استاد وہ ہے جو اپنے زیرِ تربیت افراد کو (clear objectives and high expectations) واضح مقاصد اور بلند اہداف دے سکے۔ نبی مہربانؐ کے اسوۂ تعلیمی سے بڑھ کر اس کی کامیابی کا سراغ کہیں اور نہیں ملتا۔

رسالت کا منصبِ جلیل اور بلند اہداف، ایک دوسرے سے کلی مطابقت رکھتے ہیں۔ ابتدائی دورِ دعوت میں جب قریش نے ابو طالب پر زور دیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو روکیں یا اس کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ میرے دائیں ہاتھ سورج اور بائیں ہاتھ چاند بھی رکھ دیں، میں یہ کام نہیں چھوڑوں گا۔ ''حتی یظهره الله او اهلك فیه'' (۸۸) یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی دعوت پہنچا دینے کی نہیں، اس کے غلبے کے لیے جان لڑا دینے کی بات کی ہے۔ انسانی عزم وحوصلے کی یہ آخری منزل ہے۔

مکہ ہی میں جب کمزور مسلمان، اہلِ مکہ کے ظلم وستم اور تعذیب کا سامنا کر رہے تھے، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوری طرح مامون نہیں تھے، حضرت خبابؓ نے تکالیف کی شکایت اور اللہ کے حضور دعا کی استدعا کی تو حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی نصیحت کے ساتھ یہ بھی بشارت دے دی کہ ''ایک سوار صنعا سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اسے اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔،،(۸۹) یہ اسلام کے سائے میں یمن تک کی سلطنت اور اس کے مثالی امن و امان کا وعدہ تھا۔ اس حال میں، کہ ظاہری حالات میں کسی کامیابی کا امکان کہیں دور تک بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

سفرِ ہجرت میں، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھی کے ساتھ چھپ چھپا کر سفر کر رہے تھے، اور دونوں شدید خطرے میں تھے، آپؐ نے سراقہ کو امان نامہ بھی دیا (۹۰) (گویا آپؐ ہی عرب کے آئندہ حکمران ہیں۔) اور کسریٰ کے کنگنوں کی بشارت بھی۔ جو بعد میں حضرت عمرؓ نے فتح ایران کے بعد انہیں پہنائے۔(۹۱)

غزوہ احزاب میں مدینے میں مسلمانوں کی خوف اور پریشانی میں جو حالت تھی، قرآن پاک نے اس کا بلیغ نقشہ کھینچا ہے۔ **اذجاء وکم من فوقکم و من اسفل منکم واذزاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر و تظنون باللہ الظنونا۔ ھنالك ابتلی المؤمنون وزلزلوا زلزالا شدیدا۔**(۹۲)

اس جنگ میں مٹھی بھر مسلمانوں نے عرب قبائل کی اتحادی فوج کا سامنا کرنے میں بے مثال عزم و ہمت کا ثبوت دیا۔ شدید جسمانی مشقت بھی اٹھائی، بقول نعیم صدیقی :" تین ہزار مسلم رضا کاروں نے تین لاکھ آٹھ ہزار مکعب گز مٹی کو کھودا اور منتقل کیا۔(۹۳) اس دوران ایک سخت چٹان جو صحابہ کرام سے نہیں ٹوٹ رہی تھی، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر لے گئے۔ آپؐ نے بسم اللہ کہہ کر پہلی ضرب لگائی، چنگاریاں اڑیں تو فرمایا: یمن میرے لیے فتح ہوا۔ دوسری ضرب پر فرمایا: شام اور المغرب (روم) میرے سامنے سرنگوں ہو گئے۔ اور تیسری فیصلہ کن ضرب پر فرمایا: خطّہ مشرق (یعنی ایران) میرے سامنے سے مفتوح ہوا۔(۹۴) یہ وہ دن تھے، جب منافقوں نے پھبتی کسی کہ یہاں بیت الخلا جانا ممکن نہیں ہو رہا اور یہ "صاحبؐ "روم و ایران کی فتوحات کی پیش گوئی فرما رہے ہیں۔(۹۵) تاریخ نے ثابت کیا کہ مسلمانوں کے عزم و حوصلے نے ان سلطنتوں کو زیر کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ مدینے کے آخری دور میں آپؐ نے جہاد میں بحری بیڑے کے استعمال کا اشارہ بھی دیا تھا۔(۹۶)

نبی کریمؐ کی امید کی یہ بلند پروازی کبھی معطل نہیں ہوئی۔ قیصر کو جو نامہ مبارک بھیجا، بروایت بخاری اس میں لکھا ''اسلم تسلم ''(۹۷) وقت کی سپر پاور کو باور کروا دیا کہ امان اب اسلام کے دامن رحمت کے سوا کہیں اور نہیں ہو گی۔ آپؐ نے قوموں کے مفتوح ہوجانے اور مسلمانوں کی بالادستی اور بالآخر دین قبول کر لینے کی طرف بھی اشارہ کیا کہ میری امت کے کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت میں لائے جائیں گے۔(۹۸)

یوں، خاتم النبین اور معلم آخریں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قوم کو، جو محض تجارت کے لیے سال میں دو بیرونی سفر کرتے تھے (رحلة الشّتاء و الصّیف) دنیا کی عظیم الشان سلطنتوں کی عنان اقتدار تھامنے کا حوصلہ اور عزم

عطا فرمایا۔اسلام لانے کے بعد عربوں کے احوال کے اس تغیر کو ایرانیوں نے محسوس کیا اور چیخ اٹھے کہ اونٹنی کا دودھ پینے اور گوہ کا گوشت کھانے والے عرب آج سلطنت اور جہاں بانی کا خواب کیسے دیکھنے لگے ہیں(۹۹) مسلمانوں نے نہ صرف دنیا کے وسیع علاقوں کو فتح کیا بلکہ ایک پائیدار اور مستقل تبدیلی کی بنیاد رکھی۔انسانیت کو عادلانہ طرز حکمرانی سے روشناس کروایا اور انسانی مزاج میں وہ تبدیلی پیدا کر دی کہ ظلم،استحصال،استعمار اور دیگر جاہلی رواجوں کا اپنے حقیقی ناموں کے ساتھ سامنے آنا ناممکن ہوگیا۔اب اصطلاحات اور لیبل بدل کر کام چلایا جاتا ہے لیکن ملمع بار بار اترتا ہی رہتا ہے۔

عصرِ حاضر اور معلم کی ذمہ داریاں

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جتنے ورق الٹتے جائیں،ایک معلم کے لیے سبق ہی سبق ہیں۔اخلاق میں، معاملات میں، تدریسی عمل میں اور پھر اعلیٰ ترین نتائج اور ثمرات کی صورت میں۔

عصرِ حاضر افادیت پرستی(utilitarianism) کا دور کہلاتا ہے۔اس پیمانے پر بھی پرکھ لیجئے،مکتبِ نبوت کی product بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ ءخلافت میں منبر پر چڑھ کر خود کو ہی مخاطب کیا: کہ ایک وقت تھا، جب تم عمیر کہلاتے تھے، بکریاں چراتے تھے، سخت گیر باپ کی ڈانٹ کھاتے تھے، اور آج تم ایک عظیم سلطنت کے سربراہ ہو۔(۱۰۰) اور یہ حقیقت کسی سے اوجھل نہیں کہ سلطنت کی محض وسعت آپ کا اعزاز نہ تھا،اصل اعزاز اس کا حسن انتظام اور استحکام تھا۔حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صفہ کے معلم تھے، یمن کے عامل بنے (۱۰۱)۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تنگنائے عرب سے نکلے اور اپنی حربی مہارت کا سکہ ایسا بٹھایا کہ دنیا کے صف اول کے جرنیلوں میں آپ کا نام نامی شامل ہے(۱۰۲)۔ کتنے ایسے تھے کہ حکمت جن کی زبان پر جاری ہوگئی۔خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک دی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو" **لیھنئك العلم یا ابا المنذر** (۱۰۳)"،تمھیں علم مبارک ہواے ابومنذر۔اصحابؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل،مروت واحسان،علم سے والہانہ محبت، تدریسی لگن اور مہارت کی مثالیں قائم کیں۔دنیا نے ان کے علم سے فیض پایا اور دنیا وآخرت کے منافع انھیں کے واسطے سے حاصل کیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اسوہ اور نمونہ تاریخ کے ہر دور میں اپنا اعتبار (Credibility) ثابت کرتا رہا ہے۔اور آئندہ بھی کرے گا۔

معلم انسانیت نے بلند ترین مقاصد کے لیے کام کرتے ہوئے وسائل کی کمی کو سد راہ نہیں ہونے دیا۔اپنا خام مال(یعنی طلبہ ءعلم) معاشرے کے ہر طبقے سے اکٹھا کیا اور اسے دنیا میں تبدیلی کے لیے استعمال فرمایا۔آپ ؐ نے اپنی کامیابی کے لیے تعصب کے ہتھیار کو بھی استعمال نہیں کیا، جیسا کہ انقلابات دنیا کا دستور ہے۔۔۔۔مثلاً

طبقاتی کشمکش، مرد وعورت کی کشمکش، غلاموں اور آقاؤں کی کشمکش وغیرہ، بلکہ مثبت طور پر معاشرے کے تمام طبقات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر کے، اور ان کی تعلیم کے ساتھ تزکیہ کے عمل کو جوڑ کر انہیں ہدف عطا فرمایا ''امّا ما ینفع النّاس فیمکث فی الارض''(۱۰۴) جو انسانیت کے لیے نفع رساں رہے گا، وہی زمین پر باقی رہے گا۔

امتِ مسلمہ کے آج بھی وہی بحران ہیں۔ وسائل کی کمی، مسائل کی کثرت۔۔۔ اور اس پر مستزادیہ بدنصیبی کہ جو طبقات دینی ودنیاوی علوم میں مہارت حاصل کر لیتے ہیں، وہ بدعنوانی کے عادی اور دین دشمنوں کے آلہء کار بن جاتے ہیں۔ امت کی خواری اور زبوں حالی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ علوم دینیہ کے ادارے ہوں یا علوم دنیا کے، فنون اور مہارتوں کو قرار واقعی مقام ضرور دیں، لیکن تزکیہ کا عمل مقدم ترین ہونا چاہیے۔ اس تزکیہ کی بدولت فن اور ہنر میں ترقی بھی ملے گی اور انسانی سرگرمیوں کے نتائج میں برکت بھی۔ یہی تعلیم کا حقیقی مقصود ہے اور حقیقی فلاح وکامرانی بھی حاصل ہوگی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) انجیل متی۔ پاکستان بائیبل سوسائٹی۔ لاہور۔ ۲۰/۵

(۲) ایضاً۔ ۵/۱۳-۱۶

(۳) خطیب التبریزی، مشکوٰۃ المصابیح : باب مناقب الصحابہ، المکتب الاسلامی، دمشق ۱۹۶۱ء، ۳/۲۱۹

(۴) ابن تیمیہ، التفسیر الکبیر۔ دارالکتب العلمیۃ، بیروت، ۴/۱۳۵

(۵) البقرہ۲:۱۲۹

(۶) البقرہ۲۔۱۵۱؛ آل عمران۳:۱۶۴ ؛ الجمعۃ۶۲:۲

(۷) امین احسن اصلاحی، تزکیہء نفس، ملک سنز، فیصل آباد، ص۳۴۔

(۸) بخاری : کتاب مناقب الانصار: (الکتب الستۃ) مکتبہ دارالسلام۔ ریاض ۱۹۹۹، رقم الحدیث ۳۸۶۱، ص ۳۱۳

(۹) بخاری۔ باب بدء الوحی: رقم الحدیث ۸۔ ص ۱۔۲

(۱۰) ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، مکتبہ رحمانیہ۔ اردو بازار۔ لاہور، ۳۳۴، ۳۳۵

(۱۱) محمد بن جریر، تاریخ طبری، الفیصل ناشران کتب۔ اردو بازار۔ لاہور ۲۰۰۴، ۳/۱۴۱، ۱۴۲

(۱۲) گستاؤلی بان، تمدن عرب، ص ۲۱۸، مقبول اکیڈمی۔ لاہور
(۱۳) ابن کثیر: تفسیر القرآن العظیم، دارالطیبہ، بیروت۔ ۵۹۶/۴
(۱۴) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، قومی کتب خانہ۔ لاہور ۱۹۸۳ء ۲۲۲/۱
(۱۵) بخاری: کتاب النکاح: باب ترغیب فی النکاح، رقم حدیث: ۵۰۶۳، ص ۴۳۸
(۱۶) رشید احمد، تاریخ مذاہب، :، قلات پبلشرز، کوئٹہ۔ ص ۱۴۴
(۱۷) سنن الترمذی۔ کتاب المناقب، باب فضل ازواج النبی۔ رقم الحدیث ۳۸۹۵ ص ۲۰۵۰
(۱۸) بخاری: کتاب الجمعۃ، رقم الحدیث ۸۹۳۔ ص ۷۰
(۱۹) ولی الدین خطیب، مشکوٰۃ المصابیح: عن سعید بن العاص ۱۱۵/۲
(۲۰) حجۃ اللہ البالغہ، ۳۵۸/۲ و ما بعد
(۲۱) الحدید، ۵۷:۲۷
(۲۲) ابوداؤد: کتاب الادب، رقم الحدیث ۴۹۰۴، ص ۱۵۸۳
(۲۳) ابوداؤد: کتاب شہر رمضان، مکتبہ دارالسلام ریاض ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱۳۹۰، ص ۱۳۲۶
(۲۴) ابو دائود، السنن۔ کتاب التطوع۔ باب النعاس فی الصلاۃ۔ رقم الحدیث ۱۳۱۲، ص ۱۳۲۰
(۲۵) بخاری۔ کتاب الصوم۔ رقم الحدیث ۱۹۷۵، ص ۱۵۷
(۲۶) مسلم: کتاب الصیام، دارالسلام ریاض ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث ۱۱۱۹، ص ۸۵۷
(۲۷) بخاری۔ کتاب المغازی۔ رقم الحدیث ۴۴۱۸، ص ۳۶۲
(۲۸) ترمذی: ابواب الوصایا۔ رقم الحدیث ۲۱۱۶، ص ۱۸۶۳
(۲۹) الجمعۃ، ۶۲:۱۰
(۳۰) سورۃ المزمل کی آیت نمبر ۲۰ ’وآخرون یضربون فی الارض یبتغون من فضل اللّٰہ وآخرون یقاتلون فی سبیل اللّٰہ‘‘ کی تفسیر میں سید مودودی لکھتے ہیں: یہاں اللہ تعالیٰ نے پاک رزق کی تلاش اور جہاد فی سبیل اللہ کا ذکر جس طرح ایک ساتھ کیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں جائز طریقوں سے روزی کمانے کی کتنی بڑی فضیلت ہے۔ تفہیم القرآن: ادارہ ترجمان القرآن۔ لاہور، ۱۳۴/۶
(۳۱) ترمذی: کتاب الایمان، رقم الحدیث ۲۶۱۶، ص ۱۹۱۵
(۳۲) مسلم، کتاب الامارہ، رقم الحدیث ۱۸۸۶، ص ۱۰۱۴
(۳۳) کتاب مقدس (عہد نامہ قدیم وجدید) کتاب استثناء، ۲/۳۳
(۳۴) ابوداؤد: کتاب الجہاد، رقم الحدیث ۲۵۳۲، ص ۱۴۱۱

(۳۵) بخاری : کتاب الجہاد، رقم الحدیث۲۹۱۴،ص۲۳۴

(۳۶) اساتذہ کے خصائص اور مطلوب مہارتوں کے بارے میں درج ذیل ویب سائٹس اور ان پر موجود کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ www.facultyfocus.com www.catholiceducation.org www.guardian.co.uk www.teaching.org/resources

(۳۷) ھود،۱۱:۲۹

(۳۸) التوبہ،۹:۱۲۸

(۳۹) الکہف،۱۸:۶

(۴۰) الشوریٰ،۴۲:۴۸

(۴۱) الانعام،۶:۳۵

(۴۲) الانعام،۶:۳۶

(۴۳) بخاری۔ کتاب بدء الخلق: رقم الحدیث۳۲۳۱،ص۲۶۲

(۴۴) ابن سعد،طبقات الکبریٰ: بیروت ۱۹۵۷،۱/۲۱۰

(۴۵) مسلم: کتاب فضائل الصحابہ: رقم الحدیث۶۲۶۴،ص۱۱۰۴

(۴۶) بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔ رقم الحدیث۳۷۳۲،ص۳۰۴

(۴۷) بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبیؐ: رقم الحدیث۳۷۶۳،ص۳۰۶

(۴۸) بخاری : کتاب الاستئذان: رقم الحدیث۶۲۶۵،ص۵۲۸

(۴۹) بخاری : کتاب مناقب الانصار۔ رقم الحدیث۳۷۸۵،ص۳۰۷

(۵۰) بخاری : کتاب مناقب الانصار۔ رقم الحدیث۳۸۰۴،ص۳۰۹

(۵۱) بخاری : کتاب فضائل اصحاب النبیؐ: حدیث نمبر۳۷۵۷،ص۳۰۶

(۵۲) ابو دائود: کتاب الوتر۔ رقم الحدیث۱۵۲۲،ص۱۳۳۵

(۵۳) بخاری: کتاب الرقاق۔ رقم الحدیث۶۴۱۶،ص۵۳۹

(۵۴) ابودائود: کتاب النکاح، رقم الحدیث۲۰۴۸،ص۱۳۷۳

(۵۵) بخاری : کتاب الاستقراض، رقم الحدیث،۲۳۹۵،ص۱۸۷

(۵۶) ترمذی: ابواب المناقب: رقم الحدیث۳۸۵۲،ص۲۰۴۸

(۵۷) ترمذی: ابواب المناقب، رقم الحدیث۳۸۵۲،ص۲۰۴۸

(۵۸) بخاری: کتاب الاستقراض، رقم الحدیث۲۳۹۹،ص۱۸۷

(۵۹) مسلم : کتاب الزکوۃ ،رقم الحدیث۲۳۵۱،ص ۸۳۸

(۶۰) بخاری: کتاب المغازی، رقم الحدیث۳۹۵۲،ص ۳۲۳

(۶۱) ابن ہشام: ۷۰۸/۱، ۷۰۹

(۶۲) خالد علوی، انسان کامل، الفیصل ناشران کتب، لاہور ۲۰۰۵ء۔ص ۲۱۵

(۶۳) مجمع الزوائد ۱۳۲/۱

(۶۴) ابن ماجه : کتاب الجهاد، رقم الحدیث ۲۷۸۳،ص ۲۶۴۵

(۶۵) نسائی، کتاب الجهاد: رقم الحدیث ۳۱۴۰،ص ۲۲۸۹

(۶۶) ابوداؤد، کتاب الجهاد۔ رقم الحدیث ۲۷۰۵،ص ۱۴۲۴

(۶۷) ابوداؤد ،کتاب الجهاد، رقم الحدیث ۲۷۱۱،ص ۱۴۲۴

(۶۸) بخاری، کتاب الحدود، رقم الحدیث ۶۷۸۷،ص ۵۶۶

(۶۹) مسلم۔ کتاب البر۔ رقم الحدیث ۲۶۳۱،ص ۱۱۳۶

(۷۰) ترمذی: کتاب الزهد، رقم الحدیث ۲۳۲۱،ص ۱۸۸۵

(۷۱) بخاری، کتاب مواقیت الصلاة۔ رقم الحدیث ۵۲۸،ص ۴۴

(۷۲) امام مالك، مؤطا: داراحیاء التراث العربی۔ بیروت، ۹۹۰/۲

(۷۳) مجمع الزوائد: ۱۲۹/۱

(۷۴) طبقات ابن سعد، ۲۰۰/۱، نیز بخاری۔ کتاب المغازی رقم الحدیث ۴۳۲۱،ص ۳۵۴

(۷۵) الانعام: ۱۵۳

(۷۶) مسند احمد: ،المکتب الاسلامی ،مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، رقم الحدیث ۴۱۴۲، ۸۹/۶، ۹۰

(۷۷) شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح، شرف الدین الطیبی: ۶۳۵/۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، مکہ مکرمہ، ۱۴۱۸ھ

(۷۸) ابن ماجه : کتاب الزهد، مکتبہ دارالسلام ریاض، رقم الحدیث ۴۲۳۱،ص ۲۷۳۴

(۷۹) النساء ۴: ۱۱۳

(۸۰) الشوریٰ ۴۲: ۵۲

(۸۱) الزمر ۳۹: ۵۵

(۸۲) مسلم: کتاب فضائل الصحابه: رقم الحدیث ۲۴۹۴،ص ۱۱۱۶

(۸۳) مسلم ،کتاب الصیام: رقم الحدیث ۲۵۹۵،ص ۸۵۵

(۸۴) شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر: قرآن محل، کراچی، ۱۹۸۲ء،ص ۴۳

(۸۵) ابوداؤد، کتاب القضاء: رقم الحدیث ۳۵۹۲،ص ۱۴۸۹

(۸۶) موسوعہ فقہ علی محمد رواس قلعہ جی: ص ۶۵۸،۲۰۰۲ء

(۸۷) ابوداؤد، کتاب الطہارۃ ۔رقم الحدیث ۳۳۸،ص ۱۲۴۸

(۸۸) ابن ہشام: ۳۸۵/۱

(۸۹) بخاری، کتاب بدء الخلق۔ص ۲۶۸

(۹۰) بخاری، کتاب مناقب الانصار ،رقم الحدیث ۳۹۰۶،ص ۳۱۸

(۹۱) شاہ ولی اللہ دہلوی، فقہ عمر۔: ص ۲۷۵، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور

(۹۲) الاحزاب ۳۳: ۱۰

(۹۳) نعیم صدیقی محسن انسانیت،ص ۳۹۵، اسلامک پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۴ء

(۹۴) صفی الرحمٰن مبارک پوری ،الرحیق المختوم،ص ۴۹۴، المکتبۃ السّلفیہ،لاہور، ۱۹۶۳ء

(۹۵) محسن انسانیت: ص ۴۰۲

(۹۶) ترمذی، فضائل الجہاد: رقم الحدیث ۱۶۴۵،ص ۱۸۲۱

(۹۷) مسلم: کتاب الجہاد، رقم الحدیث ۴۶۰۷،ص ۹۹۳

(۹۸) ابن تیمیہ،التفسیر الکبیر۔: ۳۱۵/۶

(۹۹) مولانا عبیداللہ سندھی،قرآن پاک کا مطالعہ،سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۵ء،ص ۴۲، ۴۳

(۱۰۰) شبلی نعمانی، الفاروق،ص ۳۸۷، مکتبہ رحمانیہ۔ لاہور

(۱۰۱) قاضی اطہر مبارک پوری، خیر القرون کی درس گاہیں، ادارہ اسلامیات لاہور ۲۰۰۰ء، ص ۳۷

(۱۰۲) محمد حسین ہیکل،عمر فاروق،ص ۴۴۵، الفیصل ناشران کتب، لاہور

(۱۰۳) مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین: رقم الحدیث ۱۸۸۵،ص ۸۰۵

(۱۰۴) الرّعد،۱۳: ۱۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆